قسط نمبر (۱)

حضرت علامہ محمد شہاب الدین ندویؒ *

# ماہیت باریٔ تعالیٰ پر ایک نظر

## قدیم وجدید نظریات کی روشنی میں

ذات باریٔ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے مسائل قرآن اور حدیث میں صاف وشفاف اسلوب میں مذکور ہیں، جن میں کسی قسم کی تعقید یا پیچیدگی نہیں ہے۔ مگر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے انہیں خواہ مخواہ پیچیدہ بنا کر ذہنی جمناسٹک کی گئی اور عقلی گھوڑے دوڑا کر بات کا بتنگڑ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ ساری کاوشیں کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا کے مصداق ہیں۔ صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کے بعد دین میں ایسی ایسی بدعتیں اور خرافات ایجاد کی گئیں جن کی وجہ سے دین وشریعت کا حلیہ ہی بگڑ گیا۔ اور رہی سہی کسر فلسفہء یونان نے پوری کردی۔ فلسفہ کی چاند ماریوں کی وجہ سے اسلام کا روشن چہرہ چھلنی ہوگیا اور اس کے صاف وشفاف عقیدے گرد آلود ہوگئے۔

### اسلام اور یونان کی پیوندکاری

چنانچہ قدیم متکلمین نے اسلامی عقائد میں ایسی مُوشگافیاں کیں کہ ان کے باعث دین کی حقیقت ہی مسخ ہوکر رہ گئی۔ منطق وفلسفے کے مقابلے کے لئے جو کلام ایجاد کیا گیا وہ خالص اسلامی نہ رہا، بلکہ اس پر منطق وفلسفے کی ایسی چھاپ لگ گئی کہ وہ منقول ومعقول کے درمیان ایک ''جنس ثالث'' بن کر رہ گیا۔ یعنی وہ نہ تو خالص شرعی رہا اور نہ خالص فلسفیانہ۔ چنانچہ فلسفے کی پیوندکاری کی وجہ سے اسلام کے بنیادی عقائد میں ایسی ترمیم کردی گئی کہ آگے چل کر یہ ''ترمیم شدہ'' عقائد اسلام کے متفقہ عقائد بن گئے۔ بالفاظ دیگر اسلامی عقائد کو متکلمین نے فلسفے کا لباس پہنا کر انہیں عربی کی بجائے یونانی بنادیا۔ گویا کہ اللہ اور اس کے رسول سے کوئی ''قصور'' سرزد ہوگیا تھا، معاذ اللہ۔

### اسلامی عقائد کی مغلوبیت

غرض متکلمین اسلام نے اسلامی عقائد کو مشرف بفلسفہ کرکے عقائد کی جو کتابیں لکھیں وہ پورے عالم اسلام میں رائج ہوچکی ہیں اور صدیوں سے انہی کا بول بالا ہے۔ ان کے مقابلے میں اصل اسلامی عقائد دب کر رہ گئے ہیں،

---

* بانی، فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور، انڈیا

الا ماشاء اللہ۔ مثال کے طور پر اس سلسلے میں جو نئی بحثیں پیدا ہوئیں وہ اس طرح تھیں کہ اللہ تعالیٰ جوہر ہے یا نہیں؟ جسم ہے یا نہیں؟ حیز میں ہے یا نہیں؟ عرش پر مستوی ہے یا نہیں؟ اس کی صفات عین ذات ہیں یا غیر ذات؟ معاد جسمانی ہوگی یا روحانی؟ وغیرہ۔

فلسفہ یونان کی نظر میں اس عالم رنگ و بو کی چیزیں یا تو "بسیط" ہیں یا "مرکب"۔ بسیط سے مراد مفرد عناصر ہیں، جو دور قدیم کے نظریات کے مطابق مٹی، پانی، ہوا اور آگ تھے۔ اور یہ عناصر اربعہ کہلاتے تھے۔ چنانچہ یونانی فلسفے کی نظر میں دنیا کی تمام اشیاء انہیں چار عناصر سے بنی ہوئی ہیں۔ اور مرکب سے مراد وہ اشیاء ہیں جو ان چار عناصر سے متشکل ہیں۔

زعم الحكماء أن العناصر الأربعة هي الأركان التي تركب منها المركبات. ۱

مرکبات سے مراد معدنیات، نباتات اور حیوانات ہیں، جن کو فلسفے کی اصطلاح میں "موالید ثلاثہ" کہا گیا ہے۔ ۲

## مضحکہ خیز تاویلات

اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ جب دنیا کی ہر چیز انہی عناصر سے مرکب ہے تو کیا باریٔ تعالیٰ کی ہستی بھی انہی عناصر سے مرکب ہے یا نہیں؟ تو اس موقع پر فلسفہ زدہ لوگوں کے سامنے ایک "مشکل" یہ پیش آئی چونکہ مرکب اشیاء یعنی مادی اجسام میں طبعی اعتبار سے تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، یعنی مرور ایام کی بدولت ان کی شکل و صورت، چہرہ مہرہ، رنگ و روپ اور احوال و کوائف مسلسل بدلتے رہتے ہیں اور طبائع میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اس بنا پر وہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتے۔ چنانچہ فلسفیانہ اصطلاح کے مطابق اس قسم کے تغیرات کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے:

الأجسام لا تخلو امن الحوادث: یعنی موالید ثلاثہ کے اجسام (طبعی) حوادث سے خالی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے اجسام میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ ۳

لہذا اگر ہم باریٔ تعالیٰ کو انہی عناصر سے مرکب مان لیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے "جسمانی حالات" بھی بدلتے رہیں گے۔ اور پھر ہمارے مشاہدے کی رو سے چونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو چیز متغیر ہوگی وہ حادث اور فانی ہوگی اور اس کا وجود دوامی نہیں رہ سکتا۔ لہذا انہوں نے اس "مشکل" کو حل کرنے اور یونانی فلسفے کا "جواب" دینے کی غرض سے ایک نیا عقیدہ ایجاد کیا جو نہ تو اسلامی ہے اور نہ یونانی۔ چنانچہ اس سلسلے میں قدیم فلسفہ زدہ اسلامی فرقہ (معتزلہ) نے اعلان کر دیا کہ:

"اللہ تعالیٰ واحد اور سمیع و بصیر تو ہے (جو کسی بھی شے کے مانند نہیں ہے) مگر وہ جسم نہیں ہے، روح نہیں ہے، وہ جثہ نہیں ہے، وہ صورت نہیں ہے، وہ گوشت نہیں ہے، وہ خون نہیں ہے، وہ جوہر نہیں ہے، وہ عرض نہیں ہے، وہ طول نہیں ہے، وہ عمق نہیں ہے اور وہ کسی جہت میں نہیں ہے وغیرہ وغیرہ"۔

أجمعت المعتزلة على أن الله واحد ليس كمثله شئ وهو السميع البصير. وليس بجسم، ولاشبح، ولاجثة، ولاصورة، ولالحم، ولادم، ولاشخص، ولاجوهر، ولاعرض، ولابذي لون، ولاطعم، ولارائحة، ..... ولاطول، ولاعمق، ولاإجتماع، ولاإفتراق، ..... وليس بذي جهات۔ ۴

اسی بناپر معتزلہ کے نزدیک باریٔ تعالیٰ ایک ''شے'' ہونے کے باوجود آنکھوں کو نظر نہیں آ سکتا۔ یہ معتزلہ کا نظریہ توحید کہلاتا ہے۔

أجمعت المعتزلة على أن الله سبحانه لايرى بالأبصار۔ ۵

حالانکہ یہ بات قرآن اور حدیث کی صراحتوں کے خلاف ہے۔ مگر معتزلہ کے نزدیک ''عقل'' ''نقل'' پر مقدم ہے۔ لہذا وہ ''نصوص'' میں تاویل کے قائل ہیں۔ بہر حال معتزلہ نے اپنے اس خود ساختہ عقیدے کو اتنی بلند آہنگی کے ساتھ پیش کیا کہ یہ عقیدہ آگے چل کر کلامی نقطۂ نظر سے متکلمین اہل سنت والجماعت کا تقریباً متفقہ عقیدہ بن گیا۔

مگر اس کے ساتھ ہی متکلمین نے یہ بھی تسلیم کرلیا کہ باریٔ تعالیٰ ان تمام ''منفیات'' کے باوجود قیامت کے دن دکھائی بھی دے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ''کچھ بھی'' نہ ہونے کے باوجود ''بہت کچھ'' ہے۔ ایک طرف نفی ہے تو دوسری طرف اثبات۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑا عقلی تضاد ہے۔ اور عقل انسانی ان دونوں دعوؤں کو بیک وقت تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور عقلی حیثیت سے اجتماع الضدین ایک امر محال ہے۔

اگر اسلامی عقائد میں اس ''نفی'' کے مقابلے میں ''اثبات'' کی طرف لے جانے والے دلائل موجود نہ ہوتے تو بہت ممکن تھا کہ خدائے ذوالجلال کے ''لاشے'' ہونے پر کبھی کا ''اجماع'' ہو چکا ہوتا۔ مگر اس کو اسلامی شریعت کا ایک معجزہ کہنا چاہئے کہ اس میں ایسے نصوص یا واضح بیانات موجود ہیں جو اس قسم کا کوئی بھی انتہاء پسندانہ اقدام کرنے سے ہر دور میں لوگوں کو روک سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن اور حدیث میں صاف صاف مذکور ہے کہ اہل ایمان قیامت کے موقع پر رویت باری سے مشرف ہوں گے۔ مثلاً:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (قیامۃ: ۲۲-۲۳)

ترجمہ: بہت سے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، جو اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

## توحید باری اور عقیدۂ سلف

اسلامی عقائد نہایت درجہ سادہ اور فلسفہ وکلام کی آمیزشوں سے بالکل پاک ہیں جن کو ایک عامی اور عالم ہر ایک بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے اور اس کی ذات والا صفات عظیم قوتوں سے متصف ہے۔ وہ سارے جہاں کا خالق، رازق اور کارساز ہے۔ وہ تمام موجودات عالم سے جداگانہ اوصاف کا حامل ہے۔ اس جیسی کوئی

شے اس کائنات میں موجود نہیں ہے۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ ۔وہ عرش پر براجمان ہے، جیسا کہ اس نے اپنے کلام ابدی میں خبر دے رکھی ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ مگر باریٔ تعالیٰ اور عرش کی کیفیت نامعلوم ہے۔ وہ پوری کائنات کی تدبیر کر رہا ہے اور اس کی نظروں سے کوئی بھی چیز اوجھل نہیں ہے۔ وہ نہایت درجہ حکمت والا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔ اس جہان آب وخاک میں کوئی بھی اس کا ساجھی یا شریک یا ہمسر نہیں ہے۔ اور وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی بھی شے کے ہم مثل یا مشابہ نہیں ہے۔ وہ اشیائے عالم سے جدا اور یگانہ ہے۔ وہ کسی بھی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اس کے اندر حلول کر سکتی ہے۔

غرض تمام سلف صالحین کا متفقہ عقیدہ یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں جس طرح اپنے کلام پاک میں خبر دے رکھی ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے، باقی اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ یہ معلوم کرنا یا اس کا کھوج لگانا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور نہ رب العالمین نے اپنے بندوں کو اس کا مکلف بنایا ہے۔ لہذا ہمارے ایمان کی سلامتی کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے حدود سے تجاوز کرتے ہوئے محض ظن وتخمین کی بنا پر کوئی ایسی بات اپنے منہ سے نہ نکالیں جو ذات باریٔ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہو۔ کیونکہ اس قسم کا کوئی بھی ظن وقیاس ''قول بلا علم'' کی قبیل سے ہوگا، جس سے ہم کو منع کیا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ (بنی اسرائیل:۳۶)

ترجمہ: تو اس چیز کے پیچھے مت پڑ جس کا تجھے علم نہیں ہے۔

اسی لئے امام مالکؒ سے جب پوچھا گیا کہ استواء علی العرش (اللہ کے عرش پر براجمان ہونے) کی کیفیت کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں آپ نے ایک ایسا تاریخی جملہ فرمایا جو تمام سلف صالحین کے عقیدے کی نمائندگی کرتا ہے:

الاستواء معلوم، و کنهه مجهول، و الایمان به واجب، و السؤال عنه بدعة۔

یعنی استواء (لغت کے اعتبار سے) معلوم ہے۔ اس کی حقیقت مجہول ہے۔ لیکن اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

## انسان کی نارسائیاں

اسلامی عقائد کی اس ''سادگی'' پر ایک اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ علمی دور میں اس طرح کی بات ناکافی اور قلوب کے لئے غیر اطمینان بخش ہے۔ اور اس سے موجودہ تجسس پسندانہ ذہن ومزاج کی تشفی نہیں ہوتی۔ بلکہ عصر جدید کا مزاج یہ ہے کہ وہ ہر چیز کی ''لِمْ'' یا علت دریافت کرنا چاہتا ہے۔ لہذا وہ عقلی حیثیت سے ہر چیز کی وضاحت کا طالب ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اصولی اعتبار سے خود اپنی ہی حقیقت سے لاعلم ہے کہ اس کی اصل کیا ہے؟

اس کی روح کیا ہے اور وہ کہاں سے آئی؟ بلکہ خود مادہ کیا ہے اور مادی ذرات (عناصر و جواہر) کی حقیقت کیا ہے؟ الکٹران اور پروٹان اور اس سلسلے کے دیگر ذرات (ایلیمنٹری پارٹکلس) کس طرح وجود میں آئے اور وہ سب مل کر کس طرح باہمی تعامل کے ذریعہ عناصر و جواہر کی تشکیل کرتے ہیں؟ ان تمام مادی ذرات میں یکسانیت کیوں کر ہے؟ الکٹران میں منفی اور پروٹان میں مثبت برقی چارج کیوں ہے؟ اور پھر اس مثبت و منفی برقی چارج کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ عناصر و جواہر سے اشیاء کس طرح وجود میں آتے ہیں اور ان میں اختلاف رنگ و بو اور خصائص کی بوقلمونی کس طرح ظہور پذیر ہوتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے فلسفیانہ سوالات کا سائنسی نقطۂ نظر سے کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ انسان ان اشیاء وخواص کی لِمّ دریافت کرنے اور ان کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو عصر جدید کے تمام فلاسفہ اور سائنس داں تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کو صرف ظواہر اشیاء (فینومینا) ہی کا علم حاصل ہوسکتا ہے، اشیاء کے بواطن (نومینا) کا علم کبھی اور کسی بھی حال میں نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر ایک جوہر (ایٹم) کے بارے میں انسان کو صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ دور قدیم کے نظریہ کے مطابق جس ''جوہر فرد'' کو ناقابل تقسیم قرار دیا جاتا تھا وہ اب الکٹران، پرٹان اور نیوٹران وغیرہ کی شکل میں تقسیم ہو چکا ہے۔ چنانچہ اب ایٹم کے ان اندرونی ذرات کے بارے میں انسان کا علم کافی وسیع ہوگیا ہے۔ اور اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ایٹم کے اندر پائے جانے والے ''مرکزہ'' (نُکلیس) کا علم آج اپنی وسعت کے اعتبار سے مرکزائی طبیعیات (نُکلیر فزکس) کے نام سے ایک مستقل علم بن گیا ہے۔ اور اس علم کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ مختلف عناصر (ایلیمنٹس) کے مرکزوں کی ''توڑ پھوڑ'' (فژن) کے باعث ان کے اندر پوشیدہ دیوہیکل توانائی جسے جوہری قوت (ایٹمک انرجی) کہا جاتا ہے، حاصل کر کے آج انسان ایک حیثیت سے تمدنی فوائد حاصل کر رہا ہے تو دوسری طرف اسی توانائی سے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بھی بنا رہا ہے جو انتہائی ہلاکت خیز چیز ہے۔

## علم آدم کے حدود

جوہر یا ایٹم سے یہ عملی استفادہ سکے کا صرف ایک رخ ہے کہ انسان مادی اشیاء کو صرف برت سکتا ہے اور ان کے اندر موجود توانائیوں سے استفادہ کرسکتا ہے۔ مگر اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ وہ ان اشیاء کی کارکردگی اور ان کی اندرونی علتوں کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہے۔ یعنی ان اشیاء میں موجود طبیعی خواص کس طرح کام کرتے ہیں اور کیمیائی اعتبار سے یہ تغیرات کس طرح وجود میں آتے ہیں؟ کیونکہ یہ بات ''عالم شہادت'' سے متعلق نہیں بلکہ ''عالم غیب'' سے مربوط ہے۔ اور کوئی بھی انسان عالم غیب کی سرحد میں داخل نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا انسان کا علم محض چیزوں کے ''ناموں'' تک ہی محدود ہے اور ان کی اندرونی کیفیات سے وہ جاہل محض ہے۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی صرف چیزوں کے نام ہی بتائے گئے تھے، اُن کی باطنی کیفیات کا علم نہیں دیا گیا تھا۔

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ (بقرہ:۳۱)

ترجمہ: اور اللہ نے آدم کو تمام (چیزوں کے) نام بتادئے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے اب تک انسان صرف چیزوں کے ''نام'' ہی جانتا ہے۔ اور اس نے سائنسی میدان میں ہمہ جہتی ترقی کے باوجود اس پر ایک تنکا برابر بھی اضافہ نہیں کیا ہے۔

## فتویٰ بلاعلم

غرض انسان جب مادہ کی حقیقت نہیں جانتا، اشیاء کی اصلیت سے ناواقف، چیزوں میں موجود خواص کی علتوں سے ناآشنا اور خود اپنی کُنہ وحقیقت سے لاعلم ہے تو پھر اپنے خالق و مالک اور رب برتر کی حقیقت و ماہیت کا کیا خاک ادراک کرسکتا ہے، جو لامحدود اور حیرت انگیز قوتوں سے متصف اور تمام موجودات عالم سے یکسر مختلف ومتباین ہے؟ لہٰذا ہمارے ایمان کی سلامتی کا تقاضا یہ ہے کہ اس نے اپنے کلام پاک میں اپنا تعارف جس طرح اور جس انداز میں کرایا ہے اور شارح قرآن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اس کی شرح وتفسیر کی ہے، اس پر صد فیصد ایمان لایا جائے اور اس کی کنہ وحقیقت دریافت کرنے کی بے سود کوشش نہ کی جائے، یا اپنے محدود اور ناقص علم کی رو سے قرآنی عقائد میں بے جا تاویل کر کے ان صاف ستھرے عقائد کا حلیہ بگاڑنے کی سعی نہ کی جائے، جو ہمارے لئے خطرۂ ایمان کا باعث ہوگا۔ اور اس قسم کی کوئی بھی تاویل ''فتویٰ بلاعلم'' کی قبیل سے ہوگی، جو دین میں ایک مذموم حرکت ہے۔

بہر حال تمام سلف صالحین کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ رب العالمین نے اپنے بارے میں جو کچھ بھی بتایا ہے اور جو بھی خبر دی ہے اس پر ''بلاکیف'' ایمان لایا جائے اور اس میں اپنی طرف سے خواہ مخواہ قسم قسم کی حاشیہ آرائیاں نہ کی جائیں اور بلاوجہ شوشے نکال کر یا عقلی گھوڑے دوڑا کر صحیح اسلامی عقائد کا حلیہ بگاڑنے کی کوشش نہ کی جائے۔

## قدیم فلسفہ از کار رفتہ

قدیم فلسفے اور کلام میں الٰہیات سے متعلق تمام مباحث حدوث عالم، اثبات صانع، جوہر، عرض، صورت اور ہیولیٰ کے گرد گھومتے ہیں۔ اور ان تمام مباحث کا مرکز ومحور باری تعالیٰ کی ذات وصفات ہے۔ مگر یہ تمام مباحث رویت ومشاہدہ اور تجربہ واستقراء سے عاری محض ادّعائی ہیں جو محض ظن وتخمین پر مبنی ہیں۔ چنانچہ یونانی الٰہیات میں اپنے مزعومات کے ثبوت میں کوئی مشاہداتی یا تجرباتی دلیل موجود نہیں ہے۔ اسی بنا پر جدید سائنسی حقائق کی رو سے یونانی نظریات از کار رفتہ یا آؤٹ آف ڈیٹ ہیں۔ چنانچہ حدوث عالم اب کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ کیونکہ جدید سائنس کی نظر میں اب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ پوری کائنات ایک متعینہ وقت میں ایک دھماکے کے ذریعہ وجود میں آئی [۲]

،جیسا کہ نظریہء عظیم دھماکہ ( بگ بینگ تھیوری ) سے واضح ہوتا ہے۔اس نظریہ کی رُو سے ہماری کائنات کی عمر تقریباً ۱۵ ارب سال بتائی جاتی ہے۔اسی طرح جوہر اور عرض صورت اور ہیولیٰ کے تمام قدیم نظریات وتصورات اب ایک داستان پارینہ بن کر رہ گئے ہیں۔کیونکہ پوری کائنات میں بنیادی طور پر ۹۲ قسم کے قدرتی عناصر پائے جاتے ہیں جو بجلی کے چند ذرات (الکٹران، پروٹان اور نیوٹران وغیرہ) سے مرکب ہیں۔اوران میں صورت وہیولی کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خالی آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ معمولی خوردبینوں سے بھی نظر نہیں آسکتے۔

اب جہاں تک جوہر یا ایٹم کا سوال ہے اگر ہم اسے ''بسیط جسمانی'' قرار دیں تو یہ نظریہ تقریباً درست ہوسکتا ہے۔لیکن اگر ہم اسے ''بسیط روحانی'' قرار دیں تو جدید سائنس اور جدید فلسفے کی نظر میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ کیونکہ جوہر (ایٹم) کا اطلاق صرف ''مادی شے'' ہی پر ہوسکتا ہے۔باقی روح اور عقل (جو قدیم فلسفے میں بسائط روحانی کہلاتے ہیں) کی حقیقت چاہے جو کچھ بھی ہو وہ ''جوہر'' نہیں ہوسکتے، جو ایٹم کے مترادف ہو۔کیونکہ ایٹم صرف مادی ذرہ کا نام ہے، جس کی موجودہ دور میں ۹۲ قسمیں تجربے ومشاہدے کی رُو سے استقرائی طور پر ثابت ہوچکی ہیں۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ روح ایک غیر مرئی اور غیر محسوس چیز ہے، جس پر جوہر کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔بلکہ وہ صرف حکم الٰہی کے تحت غیر محسوس طور پر آئی ہے۔اگر وہ کوئی محسوس شے ہوتی تو سائنس اب تک اسے دریافت کرچکی ہوتی۔

## متکلمین کی ایک جسارت

رویت ومشاہدے کی بنا پر چونکہ ہماری دنیا کی مرکب چیزیں حادث اور فانی ہوتی ہیں اس لئے فلاسفہ اور متکلمین نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کو ''ٹوٹ پھوٹ'' سے بچانے کی غرض سے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ وہ ''مرکب'' نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ ''بسیط'' ہے، یعنی کوئی مفرد عنصر یا اس سے بھی ادنیٰ درجے کی چیز ہے معاذ اللہ۔اس مہمل اور باطل نظریے کے نتائج وعواقب پر اب تک کسی نے غور ہی نہیں کیا جو شرک ہی کا ایک روپ ہے اور اس پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

مگر اس سلسلے میں ایک دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ اب بیسویں صدی میں ''بسائط'' یعنی مفرد عناصر بھی فانی ثابت ہوچکے ہیں۔کیونکہ وہ ریڈیائی لہروں کے ذریعہ اپنی ''جسمانیت'' مسلسل کھوتے جارہے ہیں۔چنانچہ آج اس کا نظارہ یورانیم (ایٹمی نمبر ۸۸) اور اس کے اوپر والے عناصر: اکٹینیم (ایٹمی نمبر ۸۹) تھوریم (ایٹمی ۹۰) پروٹیکٹینیم (ایٹمی نمبر ۹۱) اور یورانیم (ایٹمی نمبر ۹۲) میں بخوبی ہورہا ہے۔چنانچہ ان عناصر کے مرکزوں سے تین قسم کی شعاعیں خارج ہوتی ہیں، جن کو الفا شعاع، بیٹا شعاع اور گاما شعاع کہا جاتا ہے۔اشعاع زنی کرنے والے ان عناصر کو ''ریڈیو آکٹیو عناصر'' کہا جاتا ہے، جو مسلسل اپنی جسامت کھوتے جارہے ہیں۔مگر سائنس داں اب تک اس راز ربوبیت پر سے پردہ

نہیں اٹھا سکے ہیں کہ ان عناصر میں یہ اشعاع زنی کیوں ہو رہی ہے؟

No one really knows why some elements are radioactive

- that is, why they under go nuclear decay. (7)

اس اعتبار سے آج یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ ''مادہ'' اپنی ''مادیت'' کھوتا جا رہا ہے۔ اور اس سلسلے میں نہیں معلوم کہ مستقبل میں مزید کیا کیا حقائق سامنے آنے والے ہیں۔ لہذا خداوند عالم کو بسیط کہنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس سے ضمناً قدیم فلاسفہ کا ایک اور نظریہ بھی مردود قرار پاتا ہے کہ ہماری کائنات کا مادہ ''قدیم'' یا لافانی ہے۔ بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ مادہ خود بھی فنا ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ عناصر سے خارج ہونے والی یہ شعاعیں یا ریڈیائی لہریں بے کراں خلاؤں میں پہنچ کر غائب ہو رہی ہیں۔

نیز اس کے علاوہ سائنٹفک نقطۂ نظر سے آج یہ حقیقت بھی ثابت ہو چکی ہے کہ ''مادہ'' کو مکمل طور پر ''توانائی'' میں اور توانائی (انرجی) کو مادہ (میٹر) میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی مفرد عناصر فانی ہیں جو بجلی کے چند ذرات کا مجموعہ ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک ماہر سائنس داں تحریر کرتا ہے کہ ہماری مرئی و محسوس کائنات نہ مادہ ہے اور نہ روح (یا توانائی) بلکہ وہ طاقت کی ایک غیر مرئی تنظیم ہے:

The visible world is neither matter nor spirit but invisible organization of energy (8)

Matter can be changed in to energy and energy into matter (9)

لہذا فلسفیانہ نقطۂ نظر سے رب العالمین کو بسیط کہنا ایک لایعنی بلکہ مضحکہ خیز حرکت ہے، جو چھوٹا منہ اور بڑی بات کی قبیل سے ہے۔

تو اب اس پیچیدہ اور مشکل ترین مسئلے کا حل کیا ہے؟ کیونکہ خالق ارض و سما کو مرکب کہنا بھی مشکل اور بسیط کہنا بھی مشکل ہے۔ تو اس کا بس ایک ہی حل ہے کہ ہم پروردگار عالم کو اپنے جہاں کے مادہ پر قیاس کر کے بیجا ''فتوے'' صادر کرنے کے بجائے یہ حقیقت تسلیم کر لیں کہ باریٔ تعالیٰ ہماری کائنات کے ''فانی مادے'' سے مرکب ہونے کے بجائے کسی ایسے سُوپر مادے سے آراستہ ہوگا جو ''فنا'' کی علت سے خالی ہو۔ ورنہ الٰہیاتی مسائل (ذات و صفات سے متعلق) حل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ جدید ترین اکتشافات کی رُو سے ہماری اپنی معلوم کائنات میں کئی قسم کے مادے موجود ہیں، جو اس مادے سے یکسر مختلف ہیں، جن سے ہمارے اجسام کی تشکیل ہوئی ہے، اور جن کو خلاق عالم نے ہماری عبرت و بصیرت کے لئے پیدا کر رکھا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث اگلے صفحات میں آ رہی ہے۔

غرض اس صورت میں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (کوئی چیز اس کے ہم مثل نہیں ہے) کا مفہوم خود مادے پر بھی صادق آ سکتا ہے۔ یعنی وہ ایسے مادے پر مشتمل ہو سکتا ہے جو ہمارے مادے جیسا نہیں ہے۔ اور یہ بات عقلاً محال

نہیں ہوسکتی۔ ورنہ رب العالمین ''لاشئ'' بن کر رہ جائے گا۔ العیاذ باللہ۔

## معتزلہ اور خلق قرآن کا فتنہ

معتزلہ کے نزدیک ذات باریٔ تعالیٰ کے صفات کی نفی کا نام توحید اور تقدیر کے انکار کا نام عدل تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ تحریر کرتے ہیں:

فالمعتزلة ومن اتبعهم من الشيعة يقولون: إن أصلهم المتضمن نفي الصفات والتكذيب بالقدر، الذي يسمونه التوحيد والعدل۔[۱۰]

معتزلہ (اور جہمیہ) کو ذات باریٔ تعالیٰ کی صفات (جیسے علم، ارادہ، قدرت، کلام اور سمع وبصر وغیرہ) سے انکار اس بنا پر تھا کہ ان کے اقرار سے صانع عالم کی ''جسمانیت'' ثابت ہوجائے گی۔ اور جب اس کی جسمانیت ثابت ہوجائے گی تو اس سے ''حدوث عالم'' کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کائنات کے ''حادث'' ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ''متغیر'' ہے۔ (یعنی وہ ایک حال پر قائم نہیں ہے، بلکہ اس کے احوال مسلسل بدل رہے ہیں)۔ اور جو چیز متغیر ہو وہ فانی ہے۔ لہٰذا اس بنا پر اگر ہم اللہ تعالیٰ کو جسم مان لیں تو وہ بھی حادث اور فانی ہوجائے گا۔ اس لئے وہ جسم نہیں ہوسکتا۔

اس سے وہ ایک اور نتیجہ یہ نکالتے تھے کہ جب وہ جسم نہیں ہوسکتا تو وہ ''متکلم'' بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تکلم کرنا ''جسمانیت'' کا خاصہ ہے۔ اسی بنا پر وہ قرآن کو کلام اللہ یا ''قدیم'' (ذات باری کی طرح) کہنے کے بجائے مخلوق یا ''حادث'' مانتے تھے۔ یعنی جس طرح اور مخلوقات صادر ہوئی ہیں اسی طرح قرآن بھی ایک مخلوق کی طرح صادر ہوا ہے۔ اگر ہم قرآن کو مخلوق یا حادث نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے ''تشبیہ'' (لیس کمثلہ شئ کے مطابق) اور ''تجسیم'' ثابت ہوجائے گی۔ یہ معتزلہ کی پوری فکر کا خلاصہ ہے۔

وغاية شبهتهم أنهم يقولون: يلزم منه التشبيه والتجسيم۔[۱۱]

ظاہر ہے کہ یہ معتزلہ اور ان کے متبعین کی ایک الٹی منطق تھی۔ کیونکہ صانع عالم یا خلاق ارض وسما کی جسمانیت کا اقرار کئے بغیر خود ظہور کائنات کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ظہور کائنات یا تخلیق ارض وسماء کے لئے ایک فعال اور قدرت والی ہستی کی ضرورت ہے۔ اور ایسی خلاق (یا فاعل) ہستی کا تصور بغیر جسم کے ممکن نہیں ہوسکتا۔ ورنہ پھر کائنات کو بھی ''قدیم'' ماننا پڑے گا۔ یعنی وہ بغیر کسی خالق کے موجود ہے۔[۱۲]

منکرین صفات (معتزلہ اور جہمیہ) کا موقف یہ تھا کہ اثبات صفات سے تجسیم باری لازم آتی ہے، کیونکہ جو صفات سے موسوم ہوگا وہ لامحالہ جسم ہوگا هذا يستلزم التجسيم والتشبيه، لأنه لايعقل ماهو كذلك إلا الجسم. جب کہ اس کے برعکس صفات کا اثبات کرنے والوں کا موقف یہ تھا کہ بغیر جسم کے حیات، علم، قدرت،

سمع، بصر، کلام اور ارادے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لایعقل مالہ حیاۃ وعلم وقدرۃ وسمع وبصر وکلام وإرادۃ إلاماھو جسم۔ ۱۳

اسی بنا پر معتزلہ کا ایک اور فاسد اور نامعقول عقیدہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کو نظر نہیں آ سکتا۔ حالانکہ آخرت میں رؤیت باری کے اثبات میں قرآن اور حدیث دونوں متفق ہیں۔ نیز انہیں قلوب کے ذریعہ بھی رؤیت باری کا انکار تھا۔ چنانچہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ قلوب کے ذریعہ صرف اس کا علم ہو سکتا ہے۔

أجمعت المعتزلة على أن الله سبحانه لايرى بالأبصار، واختلفت هل يرى بالقلوب؟ فقال أبو الهذيل وأكثر المعتزلة: نرى الله بقلوبنا بمعنى أنا نعلمه بقلوبنا۔ ۱۴

نفی صفات میں معتزلہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر ہم صفات باری کو قدیم مان لیں تو وہ بھی الوہیت میں شامل ہو جائیں گی۔ یعنی اس کی جتنی بھی صفات ہیں ان سب کو الگ الگ خدا ماننا پڑے گا۔

لأنه لو شاركته الصفات في القدم الذي هو أخص الوصف لشاركته في الالهية۔ ۱۵

اسی بنا پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کو قدیم نہ مانتے ہوئے اسے حادث اور مخلوق قرار دینے کی جرات کی۔ واتفقوا على أن كلامه محدث مخلوق في محل۔ ۱۶

معتزلہ کے ایک فرقے کے نزدیک کلام اللہ جسم اور مخلوق ہے (إن كلام الله جسم ومخلوق)۔ اور ان کے ایک دوسرے فرقے کے نزدیک قرآن مخلوق اور ''عرض'' ہے۔ (إن القرآن مخلوق لله وهو عرض)۔ ۱۷

غرض معتزلہ قرآن اور حدیث کو آخری حجت ماننے کے بجائے عقل کو ان دونوں پر مقدم رکھتے تھے۔ اور عقل یعنی معقولات جس کو قبول کر لیتے اس کا اقرار کرتے اور جس کو قبول نہ کرتے ان کا انکار کر دیتے تھے۔

فكل مسئلة من مسائلهم يعرضونها على العقل، فما قبله أقروه ومالم يقبله رفضوه۔ ۱۸

## ایک خونچکاں داستان

یہ تھا وہ پس منظر جس میں ''خلق قرآن'' یعنی قرآن کے مخلوق ہونے کا فتنہ ایک مہیب اور ہیبتناک شکل میں تیسری صدی ہجری کے اوائل میں رونما ہوا، جو معتزلہ کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے حکومت وقت کی سرپرستی میں اپنے اس خود ساختہ عقیدے کو پوری اُمت پر لادنے کی غرض سے پہلے عباسی خلیفہ مامون کو اپنا ہمنوا بنایا اور پھر ۲۱۸ھ میں (جو مامون کی وفات کا سال بھی ہے) اس عقیدے کو بزور قوت جبری طور پر نافذ کرنے کا اعلان کر دیا اور

علمائے وقت کو ایوان شاہی میں طلب کر کے انہیں اس عقیدے کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا ۱۹ ۔ اور جنہوں نے انکار کیا انہیں کوڑوں سے پٹوایا اور ایسی سخت سزائیں دیں جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور یہ واقعہ تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب بن چکا ہے۔ اگر اس سلسلے میں امت کے بطل جلیل امام احمد بن حنبلؒ نے بے مثال عزیمت واستقامت کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو صحیح اسلامی عقائد کا خاتمہ بالخیر کبھی کا ہو چکا ہوتا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں اس بطل جلیل کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بن گیا ہے، جو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظیم ترین استقامت کے بعد یہ دوسرا واقعہ ہے۔

## معتزلہ اور متکلمین کی قلابازیاں

یہ تھی معتزلہ کی فتنہ انگیزی جو فلسفہ یونان میں پوری طرح ڈوبے ہوئے تھے اور وہ اسلامی تعلیمات ہی کو نہیں بلکہ اس کے بنیادی عقائد تک کو فلسفے کی عینک سے دیکھتے تھے۔ اور جو بات فلسفے یا عقل کے خلاف معلوم ہوتی اس کا بڑی ڈھٹائی کے ساتھ انکار کر دیتے تھے۔ غرض ایک طرف فلاسفہ اور متکلمین کی ''تنزیہ ذات'' تھی تو دوسری طرف صوفیہ کا عقیدۂ ''وحدت الوجود'' تھا، یعنی ''لاموجود الا اللہ'' (کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں سب اللہ کا روپ ہیں)۔ چنانچہ قرون وسطی میں یہ دونوں صدائیں اتنی بلند آہنگی کے ساتھ بلند ہوئیں کہ ان کے باعث ذات باریٔ تعالیٰ اور اس کی توحید کی حقیقت ہی مشتبہ ہو گئی اور دین میں خرافاتی عقائد ونظریات کا دروازہ چوپٹ کھل گیا۔ جس کے جی میں جو آیا وہ کہنے لگ گیا اور جتنی باتیں منہ سے نکلیں اتنے ہی فرقے بن گئے، جیسا کہ اس سلسلے میں شہرستانی کی کتاب ''الملل والنحل'' شاہد ہے۔

اس موقع پر راقم سطور کو چونکہ جدید سائنسی نقطۂ نظر سے متکلمین اسلام کے اللہ تعالیٰ کو ''بسیط'' قرار دینے کی لغویت ظاہر کرنی ہے اس لئے اس موقع پر ذات باریٔ تعالیٰ کے جسم ہونے یا نہ ہونے پر اُمت کے مختلف فرقوں میں جو نظریات پائے جاتے ہیں ان کا ایک مختصر جائزہ لیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس بحث سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جو کچھ مرقوم ہے اس پر ''بلا کیف'' یا بغیر کسی حاشیہ آرائی کے جوں کا توں ایمان لانا واجب ہے۔ ورنہ ہمارا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا اور جھگڑے فسادات سے چھٹکارا نہیں مل سکے گا۔ اور یہ بات اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہمارا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں نہایت درجہ ناقص ہے۔ کائنات کے بارے میں نئی نئی تحقیقات سامنے آ رہی ہیں اور قدیم نظریات از کار رفتہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اس اعتبار سے معتزلہ اور متکلمین قدیم کے بہت سارے نظریات ومزعومات آؤٹ آف ڈیٹ قرار پا چکے ہیں۔

## ذات باری اُمت کی نظر میں

اس بحث کا اصل نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب جسم ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں امت کے مختلف طبقات کے درمیان مختلف ومتضاد نظریات پائے جاتے ہیں۔ اور ان کی تفصیل اس طرح ہے:

۱- معتزلہ اور جہمیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صاحب جسم نہیں ہے، نہ وہ جوہر ہے اور نہ عرض۔ وہ کسی جہت میں بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ اس کے باوجود "شے" تو ہے مگر وہ دیگر اشیاء کی طرح نہیں ہے۔ (اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے)۔

۲- فرقہء کرّامیہ اور مُشبّہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صاحب جسم ہے مگر وہ دیگر اجسام کی طرح نہیں ہے۔ هو جسم لا كالأجسام۔ ۲۰

۳- جہم اور بعض زیدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو "شے" یا چیز نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ شے وہ مخلوق ہے جس کا مثل ہوتا ہے۔ إن الباری لایقال له إنه شئ ، لان الشئ هو المخلوق الذي له مثل۔ ۲۱

۴- شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے ہمارے جسموں ہی کی طرح ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ائمہ کو خدا کے مانند اور خدا کو اپنے ائمہ کے مانند قرار دیتے ہیں۔

ثم الشيعة في هذه الشريعة وقعوا في غلو وتقصير۔ أما الغلو فتشبيه بعض أئمتهم بالإله تعالى وتقدس۔ وأما التقصير فتشبيه الإله بواحد من الخلق۔ ۲۲

۵- غالی شیعہ اور ؟ ثویہ کے نزدیک ان کا معبود صاحب اعضاء وابعاض ہے، جو یا تو روحانی ہیں یا جسمانی۔ اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتا ہے، نیچے اتر سکتا ہے، اوپر چڑھ سکتا ہے اور ایک جگہ متمکن ہو سکتا ہے۔

قالوا: معبودهم على صورة ذات أعضاء وأبعاض، إما روحانية وإما جسمانية۔ ويجوز عليه الانتقال والنزول والصعود والاستقراء والتمكن۔ ۲۳

۶- تمام مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ ایک شے ہے جو دیگر اشیاء کی طرح نہیں ہے۔ وقال المسلمون كلهم أن الباري شئ لا كالأشياء۔ ۲۴

۷- معتزلہ کے نزدیک باریٔ تعالیٰ اشیاء (مخلوقات) کے علاوہ ہے۔ ۲۵

غالی صوفیہ کے نزدیک اشیائے عالم یا مخلوقات ہی خدا کے روپ میں موجود ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان ماد اشیاء میں حلول کئے ہوئے ہے۔ بالفاظ دیگر دنیا کی تمام چیزیں "خدا پارے" ہیں۔ اور اس عقیدے کو "عقیدۂ حلول واتحاد" یا نظریۂ "وحدت الوجود" کہا جاتا ہے۔

۸- امام احمد بن حنبلؒ کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو نہ تو جسم کہیں گے اور نہ یہ کہیں گے وہ جسم نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ہی باتیں اسلام میں بدعت ہیں۔

لاأقول هو جسم، ولاليس بجسم، لأن كلا الأمرين بدعة محدثة في الاسلام۔ ۲۶

۹- امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق اللہ تعالیٰ "ایک شے" ہے مگر وہ دیگر اشیاء کی طرح نہیں ہے۔ هو

شئ لا کالاشیاء. ۲۷

۱۰۔بعض سلف نے اثبات صفات میں تشبیہ کی حد تک مبالغہ کیا ہے۔یعنی خدا کی صفات کو مخلوقات کی صفات کی طرح قرار دیا ہے۔ فبالغ بعض السلف في إثبات الصفات إلى حد التشبيه بصفات المحدثات. ۲۸

## سلف صالحین کے مسلک پر ایک نظر

سلف صالحین یا اکابر متقدمین اس سلسلے میں دو فرقوں یا مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں: ایک فرقے نے صفات الٰہی میں تاویل کرتے ہوئے تشبیہ کی حد تک مبالغہ کیا ہے، جب کہ دوسرا فرقہ تاویل کا قائل نہیں ہے۔جیسا کہ امام مالکؒ وغیرہ ائمہ کا مسلک ہے۔

غرض سلف صالحین کی ایک کثیر جماعت اللہ کے لئے صفات ازلیہ کا اثبات کرتی ہے، جیسے علم، قدرت، حیات، ارادہ، سمع وبصر، کلام، جلال، اکرام، جُود، انعام، عزت اور عظمت وغیرہ۔اور وہ ذاتی اور فعلی صفات میں فرق نہیں کرتی۔ بلکہ وہ ''خبری صفات'' کا بھی اثبات کرتی ہے۔جیسے اللہ کے دو ہاتھ ہیں اور اُس کا چہرہ ہے اور وہ عرش پر مستوی ہے۔جیسا کہ قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔لہٰذا ہم ان آیات کی تفسیر یا تاویل کرنے کے مکلّف نہیں ہیں۔ ۲۹

مگر متاخرین کی ایک جماعت نے سلف کے مذکورۂ بالا قول پر اضافہ کرتے ہوئے اتنا کہا ہے کہ ان نصوص کو انکے ظاہری مفہوم پر محمول کرنا ضروری ہے۔لہٰذا اس نے خالص تشبیہ کا پہلو اختیار کیا جو سلف کے اعتقاد کے خلاف ہے

ثم إن جماعة من المتاخرين زادوا على ماقاله السلف، فقالوا لابد من إجراءها على ظاهرها، فوقعوا في التشبيه الصرف، وذلك على خلاف ما إعتقده السلف. ۳۰

حاصل یہ کہ سلف کی اکثریت تشبیہ کی قائل تھی۔اور اس اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کی جسمانیت کی بھی ایک حد تک قائل تھی۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ کی صراحت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی جسمانیت تسلیم کئے بغیر صفات الٰہی کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

لايعقل ماله حياة وعلم وقدرة وسمع وبصر وكلام وإرادة إلاماهو جسم. ۳۱

مگر اس سلسلے میں واضح رہے کہ کلام سلف میں اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے یا نہ ہونے کی تصریح موجود نہیں ہے۔مگر وہ اثبات کے برعکس نفی کی زیادہ مذمت کرتے ہیں۔کیونکہ ''تعطیل'' یعنی اللہ تعالیٰ کو صفات سے معطل کرنا تشبیہ (اسے دیگر اشیاء کے مشابہ قرار دینے) سے زیادہ خطرناک ہے۔چنانچہ اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ تحریر کرتے ہیں:

إن السلف والأئمة كثر كلامهم في ذم الجهمية النفاة للصفات،

و ذموا المشبهة أيضا. وذلك في كلامهم أقل بكثير من ذم الجهمية و لأن مرض التعطيل أعظم من مرض التشبيه. واما ذكر التجسيم وذم المجسمة فهذا لايعرف في كلام أحد من السلف والأئمة. كما لايعرف في كلامهم أيضا القول بأن الله جسم أو ليس بجسم. بل ذكروا في كلامهم الذي أنكروه على الجهمية في نفي الجسم. كما ذكر أحمد في كتاب الرد على الجهمية۔ ۳۲

سلف صالحین اور معتزلہ وجہمیہ کے درمیان تین بنیادی مسائل میں اختلاف تھا جو یہ ہیں: (۱) قرآن غیر مخلوق ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ آخرت میں نظر آئے گا۔ (۳) اللہ تعالیٰ عالم (سات آسمانوں) کے اوپر ہے۔ چنانچہ یہ تین مسائل وہ ہیں جن پر سلف اُمت، ائمہ کرام اور اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ مگر معتزلہ اور جہمیہ کو ان تینوں باتوں سے انکار اس لئے تھا کہ ان کے اعتراف سے اللہ تعالیٰ کی جسمانیت ثابت ہو جائے گی۔ ۳۳

## فلسفہ زدہ لوگوں کی ہرزہ سرائی

واقعہ یہ ہے کہ فلسفہ یونان کے اثرات سے کلامیات اسلام حد درجہ متاثر ہو چکے ہیں۔ فلسفہ زدہ متکلمین نے یونانی نظریات کا مقابلہ کرنے کے بجائے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی عقائد اور خاص کر عقیدۂ توحید پوری طرح مشتبہ و مشکوک بن کر رہ گیا۔ اور پھر متکلمین کی تحریروں میں بہت زیادہ تعارض و تضاد بھی دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف فلسفے کی چاند ماریوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو جسم، جوہر، عرض اور جہت وغیرہ سے منزہ اور پاک قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف عقیدۂ سلف کے مطابق اسے مرئی اور قابل مشاہدہ بھی قرار دیتے ہیں، جو ایک بہت بڑا عقلی تضاد ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز نظر آنے والی ہو اسے لامحالہ طور پر جسم ہونا چاہئے۔ ورنہ اس لاینحل مسئلے کو دنیا کا کوئی بھی فلسفہ حل نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ ایک نظر آنے والی چیز کا وجود بغیر جسم کے ممکن نہیں ہو سکتا، تو پھر اسے ایک معمولی جوہر یا ایک بہت بڑا جسم قرار دینے سے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ ہر جسم کو حادث قرار دینا ایک مہمل نظریہ ہے، جو سائنسی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تحقیقات جدیدہ کے مطابق مادہ ایک پراسرار شے ہے۔ اور اس کی اصلیت کیا ہے؟ اس پر خود سائنس داں حیران ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ جدید سائنس نے ہماری کائنات میں ایسے کئی قسم کے مادے دریافت کر لئے ہیں جو ہمارے معروف مادے سے مختلف ہیں۔ (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) لہذا ہو سکتا ہے کہ ہماری کائنات میں یا اس سے پرے ایسا کوئی مادہ یا سوپر مادہ موجود ہو جو فنا کی علت سے خالی ہو۔ اس سلسلے کے بعض اکتشافات نہایت درجہ حیران کن ہیں۔

لہذا ذات باریٔ تعالیٰ کو ایک معمولی جوہر یا اس سے بھی کمتر درجے کی چیز تسلیم کر کے جو "لاشے" ہونے کے برابر ہے کیوں اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالا جائے؟ اور قرآن و حدیث کی تصریحات کے مطابق یہ کیوں نہ کہا جائے

کہ وہ اس قدر عظیم ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین کی حیثیت اس کے مقابلے میں ایک رتی سی چیز کے مانند ہے؟ جیسا کہ قرآن اور حدیث میں صراحت موجود ہے کہ وہ قیامت کے موقع پر ساتوں آسمانوں کو ان میں موجود پوری مخلوقات سمیت اپنے ایک ہاتھ میں اٹھالے گا۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔ مگر متکلمین نے اس نقطۂ نظر سے کوئی بحث ہی نہیں کی۔ بلکہ محض ''حدوث اجسام'' اور ''تماثل اجسام'' کے بے بنیاد نظریات کے سامنے سپر انداز ہوکر قرآن اور حدیث کے نصوص پر سیاہی پھیرتے ہوئے یہ ہانک لگادی کہ وہ معاذ اللہ اس وسیع کائنات کے مقابلے میں ایک ''رتی'' سی چیز ہے۔ گویا کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

لہذا اس موقع پر فلسفہ زدہ متکلمین کے نظریات پر تفصیلی بحث کرنے اور قول فیصل صادر کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جدید سائنسی نقطۂ نظر سے ہماری کائنات میں موجود مادہ اور اس کی مختلف شکلوں پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ''تماثل اجسام'' (یعنی تمام اشیاء ایک جیسی ہیں) کا فلسفیانہ نظریہ حد درجہ گمراہ کن ہے، جسے بنیاد بنا کر ''حدوث اجسام'' کی عمارت کھڑی کی گئی۔ نتیجہ یہ کہ خدائے عظیم کو ''لاشے'' قرار دے دیا گیا۔ حدوث اجسام کا نظریہ خدا کا وجود ثابت کرنے کی غرض سے اختیار کیا گیا تھا مگر حیرت انگیز طور پر اس سے خدا کا وجود ثابت ہونے کے بجائے اشیائے عالم یا مظاہر کائنات کا وجود تو ثابت ہوگیا مگر خداوند قدوس کا وجود معدوم بن کر رہ گیا۔ تعالی اللہ عز وجل عن ھذہ الخرافات۔ الٰہیات کی یہ داستان بڑی ہی عبرتناک ہے۔

## مادہ ایک راز ملکوتی

جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اس قسم کے تمام مباحث اوہام وخرافات معلوم ہوتے ہیں، جو بلاوجہ فرض کر لئے گئے تھے۔ کیونکہ عصر جدید میں نہ صرف روح بلکہ خود مادہ بھی ایک پُر اسرار چیز بن کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی پہلی تحلیل میں بجلی کے چند ذرات کا مجموعہ ہے، جو تین قسم کے ہیں: ایک منفی (الکٹران) دوسرا مثبت (پروٹان) اور تیسرا بے چارج (نیوٹران)۔ اور ان ذرات کی حقیقت نامعلوم ہے۔ اور وہ اپنی آخری تحلیل میں برقی لہروں یا نوری شعاعوں کا مجموعہ ہے۔ اب نہیں معلوم کہ ان لہروں یا شعاعوں سے عناصر وجواہر کس طرح وجود میں آئے؟ اس اعتبار سے ''مادہ'' ایک ایسا راز ملکوتی ہے جس کی حقیقت پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں اور پوری دنیائے سائنس اس کی نقاب کشائی سے عاجز وبے بس دکھائی دیتی ہے۔ ..... (جاری ہے)

خط و کتابت کرتے وقت اپنے
خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے